۱۶- بڑی بہن کا نام زیب بی بی تھا ۔ آپ نے ساٹھ برس کی عمر میں ۷ دسمبر ۱۸۶۷ء کو وفات پائی ۔ بحوالہ رجسٹر اموات ، میونسپل کمیٹی سیالکوٹ

۱۷- مرے کالج میگزین ، سیالکوٹ ، مارچ ۱۹۲۹ء -

۱۹- سید ذکی شاہ کا انٹرویو میں یہ کہنا کہ ستمبر ۱۹۲۹ء کی پوری تنخواہ مرے کالج نے میر حسن صاحب کو ادا کی تھی ، درست نہیں ۔ کالج کا ریکارڈ اس کی تردید کرتا ہے -

۱۹- دیکھیے کانفرنس کی سالانہ رپورٹیں -

۲۰- روزگار فقیر ، صفحہ ۲۰۹ -

۲۱- مرے کالج میگزین، سیالکوٹ ، میر حسن نمبر ، ۱۹۳۰ء ، صفحہ ۵ حصۂ انگریزی -

۲۲- قادیانیوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی سوانح عمری مرتب کرتے وقت مرزا صاحب کی بزرگی اور اسلام پسندی کے سلسلے میں سید میر حسن کے دو خطوط کے اقتباسات بطور ثبوت پیش کیے ہیں -

۲۳- مرے کالج میگزین ، سیالکوٹ ، میر حسن نمبر ، ۱۹۳۰ء ، صفحہ ۱۵ ، حصۂ انگریزی -


**مثنویات محمود**

از

**محمود لاہوری**

**مرتبہ : ڈاکٹر محمد بشیر حسین**

**قیمت : مجلد : درج نہیں — غیر مجلد : ۳۰ روپے**

**ملنے کا پتہ :**

**سیکرٹری دولت ایران گرانٹ فنڈ کمیٹی**

**شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی (اورینٹل کالج) لاہور**

رفیع الدین ہاشمی*

# "بال جبریل" کا متروک کلام

علامہ اقبال پر ''نزول شعر'' کے متعدد واقعات شاہد ہیں کہ قدرت نے انھیں شعرگوئی کی غیر معمولی صلاحیت ودیعت کی تھی۔ بظاہر وہ شاعری کے فنی پہلوؤں کو اہمیت نہیں دیتے اور ان کے اپنے بقول انھیں : ''فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت[1]'' نہیں ملا ۔ شاعری کے فنی پہلو سے اس بے نیازی[2] کے باوجود اس امر کے واضح ثبوت موجود ہیں کہ اشعار کی اشاعت سے پہلے انھوں نے نقد و نظر کے کڑے پیمانوں سے اشعار کی جانچ پرکھ کی اور مناسب حک و اصلاح اور حذف و ترمیم کے بعد ہی کلام شائع کیا ۔ دوسرے مرحلے میں مختلف مجموعوں کی ترتیب و تدوین کے موقع پر ، علامہ اقبال نے جانچ پرکھ کا وہی عمل پھر دہرایا ۔ اب چونکہ کلام ، مستقل مجموعوں کی صورت میں مرتب و منضبط ہو رہا تھا ، اس لیے اس موقع پر اقبال نے نسبتاً زیادہ کڑا معیار مقرر کیا جس کے نتیجے میں نہ صرف بعض مصرعوں اور اشعار کی صورت تبدیل ہو گئی بلکہ کہیں کہیں بعض نظموں کے مکمل بند اور بعض اوقات پوری کی پوری نظمیں اور غزلیں معیار سے فروتر قرار پا کر ترک کر دی گئیں ۔

متروکات اقبال کی اشاعت کا جواز یا عدم جواز ایک بحث طلب مسئلہ ہے اور اقبالیات کا ایک اہم موضوع بھی—— بہت سے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جن اشعار کو خود اقبال نے قلمزد کر دیا ، انھیں شائع کر کے محفوظ کرنے اور اقبال کی یادگار کی حیثیت سے انھیں باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں ۔ مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اقبال کے فکری اور شعری ارتقا کی تفہیم اور تجزیے کے لیے متروکات و باقیات اقبال کا مطالعہ ناگزیر ہے——چنانچہ تحقیقی نقطۂ نظر سے ، اقبال کے متروک اشعار ، اقبالیات کے جزولاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر و صدر شعبۂ اردو ، گورنمنٹ کالج ، سرگودھا ۔

۱۔ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی : ''اقبال نامہ'' (اول) ص ۱۰۸ ۔

۲۔ سید سلیمان ندوی کے نام ایک اور خط میں لکھتے ہیں : ''میں نے اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا ، فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی'' (اقبال نامہ، اول ص ۱۹۵) ۔

اقبالیاتی ادب میں ، اسی بنیادی اہمیت کے پیش نظر ، مختلف اہل علم اور اقبال کے عقیدت مند ، باقیات کی تلاش و جستجو اور ان کے جمع و ترتیب کے لیے کوشاں رہے - ان کاوشوں کے نتیجے میں باقیات کے پانچ مجموعے شائع ہوئے :

۱- رخت سفر (مرتبہ : محمد انور حارث) طبع اول : جنوری ۱۹۵۲ء
(اضافوں کے ساتھ) طبع دوم : نومبر ۱۹۷۷ء

۲- باقیات اقبال (مرتبہ : سید عبدالواحد معینی) طبع اول : ۱۹۵۲ء
(محمد عبداللہ قریشی کے اضافوں کے ساتھ) طبع دوم : ۱۹۶۶ء
(مزید اضافوں کے ساتھ) طبع سوم : ۱۹۷۸ء

۳- تبرکات اقبال (مرتبہ : بشیر الحق دسنوی عظیم آبادی) ، اپریل ۱۹۵۹ء

۴- سرود رفتہ (مرتبہ غلام رسول مہر و صادق علی دلاوری) : ۱۹۵۹ء

۵- نوادر اقبال (مرتبہ : عبدالغفار شکیل) : ۱۹۶۲ء

ان مجموعوں میں شامل بیشتر کلام ، مشترک ہے - ''باقیات اقبال'' (طبع سوم ، ۱۹۷۸ء) ضخیم ترین مجموعہ ہے اور علامہ اقبال کے شعری متروکات کا تقریباً تمام معلوم اور دستیاب ذخیرہ اس میں جمع کر دیا گیا ہے -

گذشتہ دنوں راقم الحروف کو اپنے تحقیقی کام کے سلسلے میں ، علامہ اقبال کی قلمی بیاضوں اور شعری مجموعوں کے مسودوں اور ان کی عکسی نقول دیکھنے کا اتفاق ہوا - ان بیاضوں اور مسودوں میں بہت سے ایسے اشعار نظر آئے جنھیں علامہ اقبال نے قلمزد کرتے ہوئے ، اپنے مستقل کلام سے خارج کر دیا تھا مگر یہ اشعار باقیات کے کسی مجموعے میں نہیں ملتے - ذیل میں ، شعری متروکات کا یہ حصہ پیش کیا جا رہا ہے -

اگرچہ یہ نوادر بجائے خود اہم ہیں تاہم ان کی نوعیت باقیات اقبال کے مطبوعہ ذخیرے سے اس لیے مختلف اور منفرد ہے کہ باقیات کے مجموعوں میں شامل بیشتر کلام وہی ہے جو پہلے کسی اخبار یا رسالے میں یا کتابچے کی صورت میں شائع ہوا پھر اس مطبوعہ کلام کو جمع کر کے کتابی شکل دے دی گئی - اس کے برعکس آیندہ سطور میں پیش کردہ اشعار اس سے پہلے کبھی شائع نہیں ہوئے - راقم نے انھیں براہ راست اقبال کی قلمی بیاضوں اور مسودوں سے اخذ کیا اور یہ سب اشعار پہلی مرتبہ منظر عام پر آ رہے ہیں -

علامہ اقبال نے ان اشعار کو اپنی صواب دید کے مطابق قلم زد کر دیا تھا - یہ اشعار کیوں کر متروک قرار پائے ؟ اس کی وجوہ اب معلوم کرنا بڑا مشکل ہے تاہم نہ صرف خالص تحقیقی اعتبار سے بلکہ فنی اور شعری محاسن کے نقطۂ نظر سے بھی ان

اشعار کی اہمیت سے انکار کرنا ممکن نہیں ۔ شاعر بالعموم اپنے کلام کا اچھا ناقد نہیں ہوتا ۔ بعض اوقات اس کے متروکات میں خصوصاً اس صورت میں کہ شاعر صف اول کا ہو ۔ اس کے ہاں بہت اعلیٰ درجے کے فن پارے بھی مل جاتے ہیں ۔ اس نقطۂ نظر سے بھی علامہ اقبال کے متروکات قابل غور ہیں ۔

ذیل میں جو متروک اشعار پیش کیے جا رہے ہیں ، ان کا تعلق ''بال جبریل'' کے دور (۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۶ء) سے ہے ۔ یہ امر قابل غور ہے کہ فنی پختگی کے اس دور میں بھی علامہ اقبال نے اپنے اشعار کی اتنی بڑی تعداد کو قلم زد کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں ۔

ہر شعر یا اشعار کے ساتھ متعلقہ غزل یا نظم کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ صفحات نمبر میں ''بال جبریل'' کا جدید ایڈیشن ۱۹۷۳ء اور مابعد) پیش نظر رہا ہے ۔

وہ نغمہ دے کہ میری لحد میں ہو جس کا شور
خواہاں نہیں میں نغمۂ مرغ بہار کا[1]

(غزل : ۵ ، ص ۹)

نوائے صبح گاہی نے جگر خوں کر دیا میرا
یہ برق بے محابا پھر مرا حاصل نہ بن جائے
تری دنیا سے میرا ذوق خلوت لے چلا مجھکو
مری آہ و فغاں پھر گرمیٔ محفل نہ بن جائے
فضا اک اور ہی عالم کی ہوگی سامنے میرے
مگر ڈر ہے کہ یہ بھی پردۂ محمل نہ بن جائے
وہ دل لاہوتیوں نے درس استغنا دیا جس کو
کسی معشوق بے پروا کا پھر محمل نہ بن جائے

(غزل ٦ ، ص ۱۰)

تسلی دوں تو دل کی نامیدی اور بڑھتی ہے
عتاب آمیزتھی خلوت میں بھی تیری شکر خندی

(غزل ۱۰ ، ص ۱۴)

ٹھوکریں کھا کر خرد بھی پا گئی اپنی مراد
تھی وہ بیداری جسے خواب گراں سمجھا تھا میں

(غزل ۱۴ ، ص ۱۸)

---

۱۔ بیاض میں اس غزل کے اشعار سب سے پہلے بطور ایک نظم بعنوان : ''زندگی'' درج کیے گئے ۔ بعد ازاں انھیں ''عشق'' کا عنوان دیا گیا ۔ تیسرا عنوان ''دعا'' تجویز ہوا اور آخر میں بطور غزل ، مسودے میں شامل کیے گئے ۔

نظر آئی نہ مجکو بوعلی[1] سینا کے دفتر میں
وہ حکمت جو کبوتر کو کرے شاہیں سے بے پروا
(غزل ۱ ، ص ۲۳)

بدن کو اصل جاں سمجھا حکیماں فرنگی نے
حکیم غزنوی کہتا ہے 'آن دون است و این والا'
(غزل ۱ ، ص ۲۴)

غلاموں کے لیے دستور جمہوری ، معاذ اللہ
غرض یہ ہے غلام اپنی غلامی سے ہو بے پروا
ملوکیت سے کیا امید اے ساحل نشیں تجکو
نہنگ اپنے نشیمن کو نہیں کرتا تہ و بالا
خودی کو گرچہ قدرت نے چھپا رکھا ہے . . .
کسی مرد خدا میں ہو بھی جاتی ہے کبھی پیدا
(غزل ۱ ، ص ۲۵)

مہ و ستارہ پہ 'ڈال کمند' [؟ بڑھ کر؟] کمند ڈال اپنی
کہ تیری خاک پریشاں کی زد میں ہے گردوں
(غزل ۳ ، ص ۲۷)

من کی دنیا میں ہوائیں خوش گوار و بے غبار
اور اس مٹی کی دنیا میں نہ شہر اچھا نہ بن
(غزل ۷ ، ص ۳۱)

کبھی رہ جائے گی افرنگ کی فولاد کاری[2] بھی
کہ ہر ملت پہ آتا ہے زمانہ شیشہ سازی کا
(غزل ۸ ، ص ۳۲)

اگرچہ میری جبیں پر نہیں نشان سجود
ہزار شکر کہ یاروں کو مل گئی توفیق
(غزل ۱۱ ، ص ۳۴)

ابو تراب ہے خیبر کشا و مرحب کش
کہاں وہ حوصلہ تجھ میں کہ تو ہے ابن تراب
(غزل ۱۳ ، ص ۳۶)

---

۱۔ مسودے میں ''بو علی'' پر ''م'' کا نشان بنایا گیا ہے جو درست نہیں اس لیے یہاں اسے حذف کر دیا گیا ہے ۔

۲۔ اولین صورت میں یہاں ''خارا شگاف'' تھا ۔ بعد میں ''فولاد کاری'' بنا دیا گیا ۔

عجب کیا [ ہے] کرے آب و ہوائے جرمنی پیدا
کوئی رومی کہ افرنگی سے کہہ دے حرف تبریزی[1]

(غزل ۱۷ ، ص ۴۱)

بے حضوری میں موت ہے دل کی — زندہ ہو دل تو بے حضور نہیں
ہے یہ منزل ہی دل پذیر ایسی — اے مسافر ترا قصور نہیں

(غزل ۲۰ ، ص ۴۳)

نگہ بلند ، ادا دل نواز ، جان پر سوز — یہی ہے اور جوانوں کی دلبری کیا ہے[2]

(غزل ۲۵ ، ص ۴۸)

اگرچہ موج ہے تو سیل تند رو بن جا
ذرا گراں بھی تو ہو بحر بیکراں کے لیے
مری نوا نے کیا مجکو آشکار ایسا
رہی نہ بات کوئی میرے رازداں کے لیے

(غزل ۲۶ ، ص ۴۹)

تہذیب کے پردے میں تعلیم ہوس ناکی — نازل ہوا مغرب پر فطرت کا عتاب آخر

(غزل ۲۹ ، ص ۵۲)

اقبال مدرسوں نے دانش تو عام کردی — نایاب ہوگیا ہے جذب قلندرانہ
مُلاّے کم نظر نے امت میں پھوٹ ڈالی — تسبیح مصطفیٰ ہے صدیوں سے دانہ دانہ

(غزل ۳۲ ، ص ۵۴)

اس پیکر خاکی میں بنتی ہے خودی جس دم
نخچیر زبوں اس کا دنیا کی شہنشاہی

(غزل ۳۴ ، ص ۵۶)

وہی جام رحیق اب تک، وہی اہل طریق اب تک
وہی تریاق ہے لیکن نہیں تاثیر تریاق
جدا تہذیب حاضر سے ہے انداز مسلمانی
وہ ہے گفتار آفاقی ، یہ ہے کردار آفاقی

(غزل ۳۶ ، ص ۵۸)

---

۱۔ اس غزل کو سب سے پہلے ''لندن'' کا عنوان دیا گیا ، پھر اسے ''فرنگ'' سے تبدیل کیا گیا ۔ بالآخر بلا عنوان ہی ، بطور غزل شامل مسودہ ہوئی ۔

۲۔ بعد میں اس متروک شعر نے ، قدرے ترمیم کے بعد ، یہ صورت اختیار کی :
نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز — یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے
(بال جبریل ، ص ۱۴۳)

وطن کے سومناتی کو بتوں کا کام دیتے ہیں
کہیں اخبار 'فرعونی' کہیں آثار 'شا پوری'

(غزل ۳۸ ، ص ۵۹)

جہاں اس سے خوش تر ابھی اور بھی ہیں
ابھی اے مسافر ، سفر اور بھی ہیں
گزر اس صنم خانۂ رنگ و بو سے
محبت کے مندر ابھی اور بھی ہیں

(غزل ۴۰ ، ص ۶۱)

علی رض کے علم پہ حجت تھی ذوالفقار علی
غرض کہ دعوی صوفی ہے بے قیاس و دلیل

(غزل ۴۳ ، ص ۶۳)

اگر رفیق خرد ہو نگاہ قلب سلیم
تو ڈوب کر ابھر آتی ہے کشتیٔ ادراک
مری نوا میں ہے ناداں ، مغوں کے پاس نہیں
وہ سر خوشی کہ میسر ہو بے عصارۂ تاک
غمیں نہ ہو کہ جہاں کے ہیں آخری وارث
طفیلیانِ سرِ خوانِ خواجۂ افلاک

(غزل ۴۶ ، ص ۶۶)

یا شیوۂ درویشی یا ہمت سلطانی    یا سطوت سلطانی یا طرح فقیرانہ

(غزل ۴۷ ، ص ۶۷)

اگرچہ پاؤں میں اک تار رہ گیا باقی    بچا گئی مجھے صیاد کی کہن دامی

(غزل ۵۴ ، ص ۷۳)

خدا سے روٹھ گیا [تھا] کہ قاسمان ازل    مجھے بھی دیتے تھے فر قباد و کے خسرو

(غزل ۵۵ ، ص ۷۴)

ہے کوئی اور جگہ منزل بیگانۂ [بگانۂ ؟] شوق
خانقاہیں بھی ہیں خاموش ، مساجد بھی خموش

(غزل ۵۶ ، ص ۷۵)

میں مروت سے رہین رہ جبریل رہا    وہ یہ سمجھا مری پرواز میں ہے کوتاہی

(غزل ۵۷ ، ص ۷۵)

رہروِ جانباز کی غیرت مردانہ دیکھ    کر [نہیں] سکتا قبول راحلہ و زاد راہ

(غزل ۵۹ ، ص ۷۷)

**نظم : "لینن"**

سرمایہ پرستی نے کیا خوار جہاں کو یہ چیز ہے قوموں کے لیے مرگ مفاجات
خطرے میں ہے یورپ کے تدبر کا سفینہ مشرق میں ہیں سب منتظر وقت مکافات

(ص ۱۰۶-۱۰۸)

**نظم : "فرشتوں کا گیت"**

چرخ ہے کج خرام ابھی ، اور ستارہ خام ابھی
ہے یہ طلسم آب و گل پیکر ناتمام ابھی

(ص ۱۰۹)

**نظم : "ذوق و شوق"**

شوق یگانہ رو مرا ہم سفروں سے بے نیاز
آپ ہی کارواں ہوں میں آپ ہی میر کارواں
منزل یار سامنے اور یہ کیفیت مری
خون دل و جگر میں ہے ڈوبی ہوئی مری فغاں
از غم دل حکایتے است ، از غم دین حکایتے است
آہ جگر گداز من سوز درون ملتے است

(بند ۱ ، ص ۱۱۱)

قوم تہی ضمیر کا چارۂ کار کچھ نہیں
اس کی نگاہ نابصیر ، اس کی حیات بے ثبات
عشق نہ ہو تو عقل سے راہبری کی کیا امید
عشق کی آگ کے بغیر مردہ تمام کلیات
عشق کے ہاتھ سے گیا سلسلۂ تجلیات
رہزن دین غزنوی مغربیوں کے سومنات
حلقۂ ذوق و شوق میں آج وہ دیدہ ور کہاں
جن کی نظر میں تھے کبھی پردگیان کائنات
ملت بے نظام ہے آج وہ ملت نجیب
جن کی نماز تھی کبھی عکس نظام کائنات[1]

(بند ۲ ، ص ۱۱۲)

---

۱- مصرع ثانی نے تیسری کوشش میں موجودہ شکل اختیار کی۔ پہلی دو صورتیں یہ تھیں :

اولیں صورت : جس کی دو رکعت صلات ، شرح نظام کائنات
دوسری صورت : جس کی صلات با امام ، شرح نظام کائنات

دیر مغاں سے اٹھ گئے رند جو تھے کہن سبو
خانقہوں میں رہ گئی اہل ہوس کی ہائے و ہو

وارث علم انبیا لیتے ہیں دہریوں سے درس
اب ہے خدا کے ہاتھ میں اہل حرم کی آبرو

اس کا گنہ گار ہوں ، تجھ سے بھی شرمسار ہوں
صاحب اختیار ہے میرے معاملے میں تو

گرچہ نوائے شوق بھی رخصت شب کی ہے دلیل
صبح . . . کی ہے شفق ، عرق شہید کا لہو

تو ہے تجلیٔ وجود تو ہے تجلیٔ شہود
راز و نیاز سارمیت ، سوز و گداز عبدہ

(بند ۳ ، ص ۱۲)

علم و ہنر کی جرأتیں پا برکاب ہیں تمام
ذکر ہے سوز سے تہی ، فکر سفینہ در سراب

فیض نظر کہاں کہ جو نقش کہن ابھار دے
محو دلوں سے ہو گیا حرف جو تھا درونہ تاب

حلقۂ بزم راز میں گرمی ہائے و ہو نہیں
میرے سوا کوئی یہاں رند کہن سبو نہیں[1]

(بند ۴ ، ص ۳)

اعجمیانِ بے زباں عشق کے فیض سے کلیم
ترک و تاتار کو دیا اس نے درونۂ عرب

عشق غیوز اگر اسے ذوق خودی عطا کرے
سنگ گراں کو توڑ دے ، ریزہ شیشۂ حلب

غفلت یک نفس خطا ، دوریٔ جاوداں سزا
میرے گناہ بھی عجب ، میرے عذاب بھی عجب

(بند ۵ ، ص ۵)

علم کے زخم خوردہ کو علم سے بے نیاز کر
عقل کو مے گسار کر ، عشق کو نے نواز کر

---

۱ - یہ ، بند نمبر ۴ کا آخری (ٹیپ کا) شعر تھا ۔

صورت ریگ بادیہ میرے غموں کا کیا حساب
درد کی داستان نہ پوچھ ، دست کرم دراز کر[1]
پیر حرم خدا فروش ، مفتی دیں حرم فروش
رندِ دہن دریدہ کو محرمِ حرفِ راز کر
ارض و سما کی طاقتیں ، تیرے جنود ہیں تمام
میرِ عساکر امم ، اپنی سپاہ ساز کر[2]
اپنی سپاہ ساز کر ، ایک بھی شہر دل نہ چھوڑ
ایک بھی شہر دل نہ چھوڑ، سینوں میں ترک تاز کر
تجکو خبر بھی ہے کہ ہے ربط، دل و نظر میں کیا
یا لبِ بام اٹھا نقاب یا درِ بستہ باز کر
صدق وصفا [؟] بھی دے، وحدت مدعا بھی دے
جام جہاں نما بھی دے، دست جہاں کشا بھی دے[3]

(آخری متروک بند)

**نظم : "جاوید کے نام"**

بلند ہے تری ہمت تو فکر روزی کیا نہیں ہے لقمۂ شاہیں نصیب کرگس و زاغ
(ص ۱۱۶)

**نظم : "ساقی نامہ"**

نسیم سحر گل کھلانے لگی چٹانوں پہ مخمل بچھانے لگی[4]

---

۱۔ ایک اور بیاض میں ، ان شعروں کی یہ صورت ملتی ہے :

دست کرم دراز کر ، درد کی داستاں نہ پوچھ
علم کے زخم خوردہ کو علم سے بے نیاز کر
صورت ریگ بادیہ میرے غموں کا کیا حساب
عقل کو مے گسار کر ، عشق کو نے نواز کر

۲۔ اس شعر کی اولیں صورت یہ تھی :

چرخ کے آستیں میں ہیں بدر و حنین اور بھی
خواجۂ امتان شرق ، اپنی سپاہ ساز کر

مصرع ثانی نے ، دوسری کوشش میں یہ صورت اختیار کی :

میر ہمام شرق و غرب ، اپنی سپاہ ساز کر

۳۔ مصرع اولیٰ کی اولیں صورت یہ تھی :

فقر ابوذری کے ساتھ قوت مرتضیٰ بھی دے

۴۔ اس شعر کی ابتدائی صورت یہ تھی :

صبا فرش مخمل بچھانے لگی زمیں سے ستارے اگانے لگی

زمیں یاسمن سے ہے مہتاب خیز — پہاڑوں کے چشمے ہیں سیماب ریز
پرندوں کی چہکار میں مستیاں — ہواؤں میں آباد ہیں بستیاں
یہ کہتا ہے دل [سے] پرندوں کا گیت — محبت میں ہارے ہوئے کی ہے جیت
وہ پانی چمکتا دمکتا ہوا — اٹکتا لچکتا سرکتا ہوا
لپٹتا اچٹتا سمٹتا ہوا — بڑے چھوٹے نالوں میں بٹتا ہوا
اچھلتا پھسلتا سنبھلتا ہوا — بڑے پیچ کھا کر نکلتا ہوا
(بند ۱ ، ص ۱۲۲-۱۲۳)

چمک ایشیا کے گلوں میں نہیں — لہو ان پرانی رگوں میں نہیں
ادب اس کا مے خانۂ بے خروش — نہیں جس میں باقی مے تند جوش
(بند ۲ ، ص ۱۲۳-۱۲۴)

زباں[1] مجکو مانند شمشیر دے — زباں[1] وہ کہ پتھر کا دل چیر دے
(بند ۳ ، ص ۱۲۴-۱۲۵)

یہ شمشیر ، شمشیر ہے جاں بھی — یہ جوہر ترا تن بھی ہے جان بھی
یہ ذوق نمو سے شجر بن گئی — گرہ کھا کے تخم و ثمر بن گئی
اجالا جو سمٹا تو اختر بنا — ذرا اور سمٹا تو گوہر بنا
الجھتی ہے پیچاک ایام میں — خوش اپنے بنائے ہوئے دام میں
رہی خاک کی مورتوں میں اسیر — مگر ہر کہیں ایک اور بے نظیر
لہکتی ، سہکتی ، چہکتی ہے یہ — جھپٹتی ، لپٹتی ، کڑکتی ہے یہ
جو تیری تمنا ہے ، میری نہیں — جو میری نظر ہے ، وہ تیری نہیں
(بند ۵ ، ص ۱۲۷)

تماشائے بیداری و خواب دیکھ — سمندر میں پیچاک گرداب دیکھ
خودی کی ہوئی بے خودی سے نمود — یہ ہے حاصل کار بود و نبود
یہ معمار زندان نزدیک و دور — اسی کی چمک سے فروغ شعور
خرد اس کے گھر کی پرانی کنیز — خودی کی غلامی سے نا چیز ، چیز
یہ کار آزما ہے ، بڑی سخت کوش — نفس اس کے امروز و فردا و دوش
سرود جہاں کی بم و زیر یہ — بجاتی ہے طنبور تقدیر یہ
(بند ۶ ، ص ۱۲۵-۱۲۸)

یہ عالم حجاب نگاہ خودی — یہ انبار گل سنگ راہ خودی
(بند ۷ ، ص ۱۲۸)

---

۱۔ اولیں صورت میں دونوں مصرعوں کا پہلا لفظ ''قلم'' تھا ، پھر اسے کاٹ کر ''زباں'' بنایا گیا ۔

**”نظم : زمانہ“**

بیاض میں یہ نظم ’’زمین و زمانہ‘‘ عنوان کے تحت درج ہے ۔ ضمنی عنوان ’’زمین‘‘ کے تحت مندرجہ ذیل اشعار ملتے ہیں جنھیں بعد میں قلم زد کر دیا گیا :

جہاں میرے اسرار سے بے خبر ہے حوادث کی میں اک لحد ہوں پرانی
کوئی حد ہے میری شکم خواریوں کی مرا لقمہ ہر امت باستانی
مری خاک خاموش میں پلتے ہیں ستم ہائے تدریجی و ناگہانی
مری خاک میں نادری کارنامہ مری خاک میں قبر چنگیز خانی
ادھر سرنگوں کاخ و کو رومیوں کے ادھر سرنگوں رایت گورکانی
لپٹتے ہوئے اپنے اپنے کفن میں یہ فرعون اول وہ فرعون ثانی
برونِ زمیں جلوۂ چند روزہ
درونِ زمیں ظلمتِ جاودانہ

اس کے بعد ضمنی عنوان ’’زمانہ‘‘ کے تحت وہ اشعار درج ہیں جو اسی عنوان سے ’’بال جبریل‘‘ (ص ۱۲۹-۱۳۰) میں موجود ہیں ۔ تاہم ان میں سے مندرجہ ذیل، ایک شعر ایسا ہے جو ’’بال جبریل‘‘ کی نظم میں موجود نہیں ہے :

حکیم ناداں کی خود فریبی ، رصد نشینی ، ستارہ بینی
ضمیر میرا وہ جانتا ہے ، نگاہ ہے جن کی عارفانہ

**نظم : ”روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے“**

اس جنت ارضی کی [ہے] تعمیر تجھی سے
مٹی کی پلٹ جائے گی تقدیر تجھی سے
ہے عقل فرومایہ جہاں گیر تجھی سے
تقدیر ہے زنجیری تدبیر تجھی سے

(ص ۱۳۲-۱۳۳)

’’بال جبریل‘‘ کا بیشتر حصہ ، جس بیاض میں درج ہے ، اس میں ایک نظم اور چند ایسے متفرق اشعار بھی ملتے ہیں ، جنھیں ’’بال جبریل‘‘ میں شامل نہیں کیا گیا پہلے متذکرہ نظم ملاحظہ کیجیے :

**”خطاب بہ فرزندان آدم“ :**

تری نے میں ہے نغمۂ جبرئیل ترا دل کلیم و مسیح و خلیل
ترا دل کشایندۂ کائنات ترا دل ربایندۂ کائنات
ستاروں سے اونچی تری مشت خاک متاع دو عالم تری جان پاک